ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.1 2021

وارث علوی کی افسانوی ادب پر تنقید (خصوصی حوالہ-ناول نگاری پر تنقید)

تحسین فاطمہ[1]

ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر[2]

Abstract:

Waris Alavi is one of the most important critics of our time. He has a good eye on Western fiction and also sees Urdu fiction in the same context.With regard to the critic of fiction, he set theoretical priorities and presented them in practical critic. Waris Alvi says that most of our writers do not belong to Urdu literature like the West has a strong tradition of fiction and novels and the same standard of fictional criticism. In fiction, the novel is Waris Alvi's favorite genre. He analyzed some of the novels that critics considered to be superior.

Keywords: *Important, Critics, Western, Fiction, Criticism, Fiction, Criticism, Preferences, Theoretical, Criticism, Practical, Criticism, Technical, Errors, Analysis*

وارث علوی اردو تنقید کے حوالے سے معروف اور معتبر نام ہے۔ان کی تنقید کی اہم خصوصیت ان کا کھرا، بے باک انداز اور ظریفانہ اسلوب ہے۔تنقید کو لائق تحسین بنانے والے یہ ادبی نقاد 20 جون 1928ء کو سید واڑہ اسٹوڈیا احمد آباد میں پیدا ہوئے اور 86 برس کی عمر میں احمد آباد ہی میں 9 جنوری 2014ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔([1])انہوں نے مختلف کلاسیکل اور جدید شاعروں پر عملی تنقید کے علاوہ مختلف شعری تصورات و نظریات پر مضامین لکھے نامور ناقدین مثلاً شمس الرحمن فاروقی، شمیم حنفی اور وزیر آغا کی تنقید اور انداز تنقید پر تیکھے اور طنزیہ انداز میں اظہار خیال کیا جس کی وجہ سے انہیں ناقدِ ناقدین کہا جاتا ہے۔

وارث علوی کا خاص میدان افسانوی ادب کی تنقید ہے اس میں انہوں نے نظری اور عملی تنقید کے کئی ایک نمونے چھوڑے۔ ان کا مغربی افسانوی ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا اسی کے تناظر میں انہوں نے اردو کے افسانوی ادب کو پرکھنے کی کوشش کی اور اس کی تنقید علمی و ادبی بلندی عطا کی۔ افسانوی ادب کے حوالے سے وارث علوی کی اہم کتب مذکور ہیں: فکشن کی تنقید کا المیہ !(2000)، جدید افسانہ اور اس کے مسائل (2002)، منٹو۔ایک مطالعہ (2003)، راجندر سنگھ بیدی ۔ایک مطالعہ (2004) ہیں۔اس کے علاوہ: اے پیارے لوگو! (1981)، تیسرے درجہ کا مسافر !(1981)، کچھ بچالایا ہوں (1990)، پیشہ تو سپاہ گری کا بھلا !(1990)، بورژاژی بورژاژی !(1990) بھی ہیں۔

ان کتب میں لکھے گئے افسانوی ادب کے حوالے چند مضامین مثلاً:"جدید افسانے کا اسلوب"، "استعارہ اور نرالفظ"، "اردو کا ایک بدنصیب افسانہ۔ گرہن"، "افسانہ نگار اور قاری "، "جدید افسانہ اور اس کے مسائل"، "اجتہادات-روایت کی روشنی میں "، "افسانہ کی تشریح-چند مسائل"، "فکشن کی تنقید -چند مسائل"، "فکشن کی تنقید کا المیہ "، "لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر"، افسانوی ادب کی تنقید میں بیش بہا اضافہ ہیں۔

---

[1] (پی ایچ ڈی سکالر) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

[2] (ایسوسی ایٹ پروفیسر: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

افسانوی ادب میں وارث علوی کا اصل میدان اردو افسانہ ہے جبکہ "ناول" ان کی پسندیدہ صنف سخن ہے۔ اپنے ایک مضمون :"ناول پلاٹ اور کہانی" میں وارث علوی عظیم ناول کی خصوصیات بتانے کے ساتھ ساتھ ناول کے فقدان کی وجوہات جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون "ناول بن جینا بھی کوئی جینا ہے" وارث علوی کی ناول سے دلچسپی اور محبت کا خوبصورت اظہار ہے جس میں انہوں نے ناول کا ارتقا اور اس کی مختصر تاریخ بتانے کے ساتھ ساتھ آخر میں اس اندیشے کا اظہار کیا ہے۔

"مجھے خوف آتا ہے اس وقت سے جب مجھے ایسی دنیا میں جینا پڑے جہاں پڑھنے کے لیے ناول نہ ہوں"۔ (2)

وارث کا کہنا ہے کہ ہمارے ہاں افسانہ اور ناول کی روایت مغرب کی طرح مضبوط نہیں یہی معیار ہمارے افسانوی تنقید کا ہے ۔اردو میں بڑے ناول نہ لکھنے کی وجہ اردو ادب کا شاعرانہ مزاج ہے۔ انہوں نے اردو ناول "آخر شب کے ہم سفر"، "راجہ گدھ" اور کسی دن "پر تفصیلی مضمون لکھے اسی طرح ناول "انقلاب" اور "قاضی عبد الستار کے معاشرتی ناول" پر بھی تجزیے پیش کیے۔

قرۃ العین حیدر کا ناول "آخر شب کے ہم سفر"

آگ کا دریا" کی خالق قرۃ العین حیدر ادبی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کا ایک اور ناول "آخر شب کے ہم سفر" جسے وارث علوی نے انتظار حسین کے ناول " بستی " قاضی عبد الستار کے ناول "شب گزیدہ" اور جوش ملیح آبادی کی آپ بیتی "یادوں کی بارات کی طرح جاگیر دارانہ تمدن کی موت کا نوحہ قرار دیا ہے۔ بستی " اور "آخر شب کے ہم سفر " ان کے مطابق تاریخ اور تہذیب سے متعلق ہیں۔ ان دونوں ناولوں کے خالق نے چونکہ افسانے بھی لکھے ہیں اس لیے علوی کے نزدیک :-

" وہی انداز اور زبان ناولوں میں بھی برتنے سے :ایسا لگتا ہے دونوں ناول ان کے افسانوں اور پچھلی تحریروں کا ملغوبہ ہیں"۔(3)

وارث علوی مزید لکھتے ہیں کہ ان ناولوں میں ایسی کوئی بات نہیں جو پہلے ان کے افسانوں میں بیان نہ ہو چکی ہو۔ اسی لیے یہ ناول، ناول نگار کے ذہنی ارتقا کا کوئی نیا موڑ بھی نہیں کہے جاسکتے۔ ان ناولوں میں کیا مسائل ہیں اور ان مسائل سے وارث علوی نے جو خرابی محسوس کی ہے اسے پینتیس صفحات کے تنقیدی مضمون میں بیان کر دیا ہے۔

وارث علوی اس ناول میں ایک خرابی شاعرانہ اسلوب کو سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق مختلف لکھاری فکری فقدان کو شعری اسلوب میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی اسلوب کی وجہ سے قرۃ العین کے ناول تخیل یا علم و فضل کے ناول نہیں بن سکے۔ علاقائی فضا کی تصویر کشی یا تہذیبی عکاسی کی یہ مہارت وارث علوی کے نزدیک ناول کا قدرتی طور پر حصہ نہیں بن پائی۔ بلکہ ناول کے پیکر سے الگ ہو کر انشائیہ کا رنگ اپنا لیتی ہے۔

وارث علوی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کتنے تعجب کی بات ہے تہذیبی فضابندی کے باوجود قرۃ العین حیدر کے ہاں کوئی گاؤں یا کوئی شہر اس طرح جاگتا ہوا نہیں ملتا جس طرح بیدی کے یہاں پنجاب کا گاؤں یا منٹو کے یہاں ممبئی اور امر تسر "۔(4)

"آخر شب کے ہم سفر" میں وارث علوی کو ایک خرابی کردار نگاری میں نظر آتی ہے۔ اس ناول کے کردار مختلف تہذیبوں اور سیاسی رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس ناول میں اگرچہ کرداروں کی بھرمار ہے مگر ایک بھی منفرد کردار نہیں ہے۔ اکثر کردار تابع فرمان قسم کے ہیں۔ پھر سبھی کرداروں میں جو تبدیلیاں آتی ہیں تو وہ فنی اور نفسیاتی ہر دو اعتبار سے ناگوار گزرتی ہیں۔ تبدیلی کا سبب اتفاقات ہیں۔ وارث علوی ان جملہ کرداروں کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"مس حیدر کردار نگاری کو پلاٹ پر قربان کرتی ہیں اور ناول نگار کی سطح سے گر کر کہانی

کار کی سطح پر آجاتی ہیں جو دوسرے درجے کے فن کاروں کی پناہ گاہ ہے۔(5)

وارث علوی کے نزدیک اچھا کردار ہیرے کی طرح پہلو دار ہوتا ہے مگر ناول نگار کا کوئی بھی کردار اس تعریف پر پورا نہیں اترتا ۔ کردار اور ان سے جڑے واقعات ایک دوسرے کو بہالے جاتے ہیں۔ سب کچھ ایک فلمی انداز کی عجلت میں وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ناول میں کوئی گہرائی و گیرائی پیدا ہونے ہی نہیں پاتی۔ وقت کم مقابلہ سخت کے مصداق کم صفحات میں طویل سفر کو طے کرنے کا انجام یہی کچھ ہونا تھا۔ اسی باعث ناول نگار وہ فضا بنا نہیں پائیں جس میں وہ کرداروں کو اور کردار ایک دوسرے کو سمجھ پاتے۔ ایک اور خرابی جسے وارث علوی ناول نگار قرۃ العین حیدر کے فن کا کم زور تری پہلو کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

"ان کے ہاں انسانی کردار اور مواد کو جذباتیت کی آنچ سے تیکھا کیے بغیر چارہ نہیں جس اوپری طبقہ کے گلیمر کو وہ رومانی بنانے کی کوشش کرتی ہیں ان کی زندگی میں ڈراما نہیں ہے لہٰذا ان کے معمولی معمولی اعمال کو ڈرامائی رنگ دیے بغیر گزارہ نہیں۔ ان کرداروں کے سکھ میں طربیہ ہے اور نہ ان کے دکھ میں المیہ ہے۔ پھر ناول زنانہ کرداروں سے اٹا ہوا ہے۔۔۔۔ اگر قرۃ العین حیدر کسی ایک گھر یا ایک کردار کو مرکز بناتیں تو کہانی اور واقعات میں زیادہ پہلوداری کے امکانات پیدا ہوسکتے تھے۔" آخرِ شب کے ہم سفر" میں مختلف گھرانوں سے آئے ہوئے مختلف کرداروں اور پھر ان کے بچوں کے بچوں کو مصنفہ سنبھال نہیں پائیں۔۔۔۔ وہ کردار نگاری کی خرابی کو محض کم زور ہی نہیں کہتے بلکہ اسے بے حد سطحی اور ناقص بھی قرار دیتے ہیں۔(6)

مس حیدر کے ہاں فن کار پر عورت غالب رہی ہے یہی وجہ ہے کہ زندگی کے تمام واقعات، حادثات اور تجربات عورتوں کی باتوں کی سطح سے بلند ہو کر فن اور فلسفہ کی سطح تک نہیں پہنچ سکے کیوں کہ اکثر عورتوں کی باتوں کی فلسفیانہ تان اسی پر ٹوٹتی ہے کہ یہ سب قسمت کے فیصلے ہیں۔ مشرق و مغرب کے سماج کو سامنے رکھنا، انسانی تہذیب و تمدن کے نوحے لکھنا، عورت کو جابجا مجبور اور مفاہمت کرتے دیکھنا قرۃ العین حیدر کے ناول کے اہم حصے اور قصے ہیں۔ نقاد وارث علوی آخری چند صفحات میں ناول کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسری جنگ عظیم کے بعد اردو کے اور کسی ناول نگار نے سیاسی، سماجی اور اخلاقی مسائل کے اتنے بے شمار الجھے ہوئے تاروں سے وہ سنسنی پیدا نہیں کی جس سے آخرِ شب کے ہم سفر عبارت ہے"۔(7)

تمام تر مسائل اور خرابیوں کے باوجود وارث علوی اس ناول کو وقت کے گزرتے دھارے، دنیا کے نشیب و فراز، تہذیبوں کے زوال اور زندگی کے قرینوں کی ٹوٹ پھوٹ کی عکاسی میں کامیاب قرار دیتے ہیں۔

بانو قدسیہ کا ناول — "راجہ گدھ"

اردو ادب کی تاریخ میں مشہور و معروف ناول نگاروں کا تذکرہ بانو قدسیہ کے بغیر ادھورا تصور کیا جائے گا۔ ان کا ناول "راجہ گدھ" شہرت کی وجہ بنا۔ ناول کی زبان، خوب صورت انداز بیان، تشبیہات اور استعارات سے مزین اسلوب، جذبات کی رو میں بہتے ہوئے مکالمات، ان کی جزئیات اور تفصیلات اچھے بھلے قاری کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ مزید یہ کہ ناول میں انسانی فطرت، زندگی اور کائنات پر بھی سیر حاصل گفتگو شامل ہے۔ ان تمام صفات کے باوجود وارث علوی "راجہ گدھ" کو ایک ناکام ناول سمجھتے ہیں۔ وارث علوی "راجہ گدھ" کی ناکامی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ صفات ضرور ناول میں موجود ہیں مگر ان کا رنگ گہرا نہیں ہے۔ کئی جزئیات اور تفصیلات سے ناول جگمگا ضرور جاتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ اس سے کیا کام لینے کا ارادہ رکھتی تھیں؟ اس بے معنویت نے ناول کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.1 2021

سیمی، آفتاب اور قیوم کے کرداروں سے تشکیل پانے والی تثلیث کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے وارث علوی اس باب کو غیر دلچسپ اور عشق لاحاصل کا ڈراما قرار دیتے ہیں۔ اس رومانی کہانی کو اختصار سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیمی، آفتاب اور قیوم ہم جماعت ہیں۔ سیمی پر آفتاب کی محبت کا خبط چھایا ہوا ہے۔ قیوم بھی سیمی کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ سیمی کے دکھ کے دنوں میں غم گساری کرتا ہے۔ سیمی، قیوم کے ساتھ صرف اور صرف آفتاب کی باتیں کرتی ہے۔ یہ گفتگو جذباتی ہونے کے ساتھ مریضانہ بھی ہے۔ قاری کا اس کردار پر اعتماد نہیں رہتا۔ بانو قدسیہ بتانا یہ چاہتی ہیں کہ جدید دور کی لڑکی کے پاس جذباتی بحران سے نمٹنے کا کوئی حل موجود نہیں ہے۔ وہ محبت میں ناکامی پر ٹوٹ جاتی ہے۔

وارث علوی کہتے ہیں کہ ان کی ایک تھیم تو یہی ہے کہ اب ایسے نوجوان باقی نہیں رہے جو ہاتھ میں پھول لے کر محبوبہ کے پاس آئیں۔ افسردہ صورت حال کو الم ناک بنانا، عشق لاحاصل کے پیچھے جان تک دے دینا، مریضانہ عمل ہے۔ جدید معاشرہ اس کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ جب ٹکراؤ اتنا زیادہ ہو تو چنگاریوں کو بھڑکا کر شعلہ بننے اور معاشرے کو خاکستر ہوتے دیر نہیں لگتی سیمی کے کردار کی خامی بھی یہی ہے۔ وہ خود پھونک پھونک کر چنگاری کو شعلہ بناتی ہے۔ بانو قدسیہ اس کے عشق میں آگ کی تپش پیدا نہیں کر سکیں۔ انھوں نے تخیلی حربے استعمال نہیں کیے بلکہ براہ راست سیمی کی باتوں سے ہی جذبے کا اظہار ہوا ہے۔ اچھے ناولوں میں واقعات تراشے اور حالات پیدا کیے جاتے ہیں۔ جن سے قاری محبت اور ہمدردی سے سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ہیروئن کو یہ کیا روگ لگ گیا ہے جو قاری کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔ (8)

وارث علوی مزید لکھتے ہیں کہ بانو قدسیہ کا معاشرتی تصور کٹھ ملاؤں جیسا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سماج چونکہ ان اخلاقی معیار اور آدرش کے مطابق نہیں، اس لیے یہ تباہی و بربادی سے دوچار ہو کر رہے گا۔ پرندوں کی کانفرنس سے ناول کو نیا رخ دینے کی کوشش تو کی گئی ہے مگر اس کے تمام ابواب بے کیفی کا شکار ہو گئے ہیں۔ جانوروں کی حکایت سے کوئی نئی معنویت تلاش نہیں کی گئی اور نہ ہی ژرف نگاہی ہے جو انتظار حسین کا طرۂ امتیاز ہے۔ ناول نگار سمجھتا ہے کہ اس نے جو لکھا وہ حرف آخر ہے۔ اپنے علم اور فلسفے کو مسلط کرتے وقت وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا کام بتانا نہیں بلکہ دکھانا ہے۔ وارث کے مطابق:

> "ادب کا یہ معالجانہ میلان، تمام بیماریوں کا علاج تلاش کرنے اور مسائل کا حل ڈھونڈنے کا خبط بالآخر ناول کو ایک فارمولا ناول بنا کر رکھ دیتا ہے"۔ (9)

بعد ازاں وارث علوی اس ناول میں انتہا پسندی کا رجحان بھی سامنے لاتے ہیں۔ ناول کے ایک کردار کے مطابق تمام ایک جیسے ہی مرد ہیں، صرف ڈگری کا فرق ہے۔ کسی کو ہلکا بخار ہوتا ہے ــــ کسی کو تیز۔ یہ خیالات انتہا پسندانہ ہیں۔ ناول میں تین الگ الگ خواتین کردار اور تین الگ الگ کہانیاں ہیں۔ سیمی، عابدہ اور امتل کی کہانیوں میں کوئی ربط نہیں۔ انھیں آپس میں جوڑنے والا ناول کا راوی اور اس کا مرکزی کردار قیوم ہے۔ سیمی اور آفتاب کی کہانی سنانے کے بعد اس راوی کو رخصت ہو جانا چاہیے تھا مگر بانو قدسیہ نے اس بیمار بندے کے گلے میں ہیرو کا ہار بھی ڈال دیا اور اسے گدھ بنا کر چھوڑا۔ حالاں کہ یہ پہلے ہی کافی پژمردہ، بیمار، بدبودار اور سڑا ہوا کردار ہے۔ سیمی اپنے بدن کی تذلیل سے کون سی منفرد وفا نبھا رہی تھی؟ وارث علوی اس حوالے سے بانو قدسیہ کے مختلف جملے نقل کرتے ہیں جو جسم اور روح کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

> "ان مسائل کا تعلق آزادی کے ساتھ ہے: آزادی جنسی ہو یا ذہنی اپنے مسائل لاتی ہے"۔ (10)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.1 2021

آفتاب اور سیمی سے جڑے ہوئے واقعات کو وارث علوی رزق حرام، مردار خوری اور گدھ جاتی تصور کو غیر انسانی، غیر عقلی اور بے معنی کہتے ہیں۔ ان میں ہر گز کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔ ایسا صرف تفریحی قسم کے ناولوں میں ہو سکتا ہے۔ پھر قیوم اور عابدہ کے واقعات سے کہانی میں کوئی اہم موڑ یا علامت کی کچھ امید پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ناول کی تیسری کہانی جو قیوم اور امتل نامی طوائف کے گرد گھومتی ہے زیادہ دلچسپی پیدا نہیں کر سکتی۔ دونوں کے باہمی لگاؤ میں کوئی خاص گہرائی یا پیچیدگی نہیں جو ناول میں اہم ثابت ہو سکے بلکہ یہ کردار تو اس لیے بھی اضافی اور غیر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ ناول کا آخری باب، رات کے پچھلے پہر اور اس کے ذیلی باب میں الجھے ہوئے دھاگے سلجھ کر پھر الجھ جاتے ہیں۔ قیوم آخری تجربے سے گزرتے ہوئے شادی کر لیتا ہے۔ بقول وارث علوی: گویا سیمی، عابدہ اور امتل کے مردار جسموں کا گوشت کھا کر گدھ تھک جاتا ہے۔(11)

اس تبصرے کے آخر میں وارث علوی "راجہ گدھ" کو بانو قدسیہ کے ایک افسانے "ہو نقش اگر باطل" کے ذکر سے جوڑتے ہیں۔ یہ بھی محبت کی تکونی کہانی ہے۔ اس میں شوہر، بیوی اور ایک لڑکی کی محبت کی کہانی میں بیوی نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کر لیتی ہے۔ شوہر نئی لڑکی اور پرانی مرحوم بیوی کی یادوں کے سہارے ازدواجی مسرت میں زندگی گزار دیتا ہے۔ وارث علوی اس کہانی کو بھی بے معنی اور بیمار رومانیت کا نتیجہ کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ باطل نقش کس کا ہے؟ مرتی بیوی ہے، کیا اس کا نقش باطل تھا؟ جو بے گناہ ہے۔ ان کے مطابق یہ عنوان تو سیمی، آفتاب اور قیوم کی کہانی کا ہونا چاہیے تھا۔

تبصرے کی تلخیص کرتے ہوئے علوی کہتے ہیں کہ بانو قدسیہ معمولی آدمی سے غیر معمولی آدمی تک کا سفر کامیابی سے نہیں کر سکیں۔ اس ناول میں آئیڈیل کا اثبات نہیں بلکہ وہ محض یہ بتاتی ہیں کہ اس کے نہ ہونے کے کیا منفی اثرات ہوتے ہیں۔ وارث علوی کا آخری جملہ ان کے تبصرے کا حاصل ہے:

> "یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ ایمان دار آدمی کیا نہیں کھاتا، یہ بتانا بہت آسان ہے کہ گدھ کیا کھاتا ہے"۔(12)

خواجہ احمد عباس کا ناول "انقلاب"

مضمون کے آغاز میں وارث علوی کہتے ہیں کہ وہ احمد عباس کے ناول "انقلاب" پر مضمون نہ لکھتے اگر ان کی نظر سے عبد اللہ کے ناول "اداس نسلیں" پر اسلوب احمد انصاری کا مضمون نہ گزرا ہوتا۔ وارث علوی کی نظر میں "انقلاب" اور "اداس نسلیں" دونوں کمزور ناول ہیں۔ تنقید یہ بتانے سے قاصر ہے کہ ناول، ناول کیوں نہیں بن سکے۔ بجائے اس کے تاریخ افسانے کی شکل میں ڈھلتی، افسانہ خود کیوں تاریخ بن گیا؟ ہماری سماجی تنقید کا المیہ یہی ہے کہ وہ محض صفات اور خوبیاں بیان کرتی ہے۔ تاریخیت ناول کی ایک صفت ہو سکتی ہے، کوئی فنی قدر نہیں بن سکتی۔ بقول وارث علوی:

> "ضروری نہیں کہ بڑے تاریخی واقعات سے بڑا ناول پیدا ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ گھریلو جھگڑوں پر عالم گیر جنگ کی نسبت بہتر ناول لکھے گئے ہیں"۔ (13)

ناول کے موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں فرد کی ذہنی جذباتی اور روحانی کشمکش، نفسیاتی پیچیدگی، فطرت انسانی کی رنگارنگی اور ذات کی شناخت جیسے موضوعات شامل ہیں۔ ناول میں ان کا ہونا اولین اور بنیادی شرط ہے۔ ان کے بغیر تو ناول محض تاریخ، سماجیات اور فلسفے کا دفتر بن کر رہ جائے گا، فن پارہ نہیں بنے گا۔

وارث علوی مزید کہتے ہیں کہ ناول مسرت یا لطف اندوزی کے لیے پڑھے جاتے ہیں مگر یہ ناول "انقلاب" انھوں نے پڑھا ہی محض تبصرہ کرنے کے لیے ہے۔انھوں نے اسے سیاسی سمجھ کر پڑھا مگر انھیں افسوس ہوا کہ ناول تو سیاسی نہیں بلکہ تاریخی نکلا۔اس انقلاب کی حیثیت سیاسی تاریخ کے ایک ورق کی سی ہے۔

وہ آزادی کی جدوجہد کا زمانہ ہے ناول کا ہیرو انور نہ صرف یہ کہ احمد عباس ہے بلکہ وہ ہندوستان کی پوری نوجوان نسل کا نمائندہ کردار ہے۔اگر اس ناول میں یہ بتایا جاتا کہ انور کن حالات میں مخالف قوتوں کو زیر کرتا ہوا، تعصب اور نفرت کی دیواروں کو گراتا ہوا ایک روشن خیال ترقی پسند انسان بنا تو اس طرح ناول کی قدر میں اضافہ ہوتا۔لیکن اس کردار میں قوت ارادی اور فیصلہ سازی میں کمی کی وجہ سے کسی اندرونی کشمکش کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا۔ناول پر سوانحی رنگ غالب ہے۔وارث کے مطابق:

"ناول کو ایک دور کی سیاسی تاریخ کا ترجمان بنانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ احمد عباس کا نقطۂ نظر تجزیاتی بننے کی بجائے مؤرخانہ بنا اور چونکہ تاریخ بھی ماضی قریب کی سیاسی تاریخ تھی، اس لیے صحافیانہ بنا"۔ (14)

"انقلاب" میں فنی و فکری گہرائی پیدا نہ ہونے کا ایک سبب وارث علوی یہ بتاتے ہیں کہ سیاسی صورت حال کی پیش کش کی بجائے، ناول میں خبریت کا عنصر زیادہ ہے۔ناول انگریزی میں لکھا گیا اور شاید ان قارئین کے لیے جو ہندوستان کی سیاسی تاریخ سے زیادہ واقف نہیں۔اسی طرح ناول میں زبان بھی سیدھی سادی ہے اور غیر تخیلی بیانیے سے آگے بڑھتی محسوس نہیں ہوتی۔

اپنے مضمون کے آخر میں وارث علوی اس ناول کے دیباچے کو موضوع بناتے ہیں اور اس ناول کے تراجم ہونے اور ہزاروں کی تعداد میں بکنے پر سوال اٹھاتے ہیں اور "انقلاب" کم زور ناول ہونے کے باوجود اس کی مقبولیت پر حیران ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ انھیں پریم چند، کرشن چندر اور احمد عباس کی کتب کی لاکھوں کی تعداد میں اشاعت سے پریشانی نہیں ہے۔کیوں کہ دوسرے ملکوں کے بارے اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں جاننا، وہاں کے رسم ورواج اور تہذیب وثقافت سے آگاہی حاصل کرنا پڑھنے والوں کا پرانا مشغلہ ہے۔ایسی جذباتی کتب سے ان کی جذباتیت پسندی کی تسکین ہوتی ہے۔کم زور اور جذباتی ناولوں کی مقبولیت کے حوالے سے مختلف اندازے لگانے کے بعد وارث علوی کو ایک خوف لاحق ہے جس کا اظہار وہ اس مضمون کی آخری سطروں میں یوں کرتے ہیں:۔

"مجھے خوف ہے کہ روس کی تنقیدی فضا نہ صرف بہترین سے کم تر پر قناعت کرتی ہے بلکہ خوب سے خوب تر کی تمنا تک کھو بیٹھی ہے۔میں ممنون ہوں گا اگر ترقی پسند نقاد میرے اس خوف کو بے بنیاد ثابت کریں"۔(15)

اقبال مجید کا ناول "کسی دن"

اقبال مجید کا ناول "کسی دن" 1997 میں شائع ہوا۔وارث علوی اسے قابل تعریف ناول کہتے ہوئے ناقدین سے شکوہ کناں ہیں کہ انھوں نے اس تحریر کو وہ پذیرائی نہیں بخشی جس کی یہ بجا طور پر مستحق ہے۔افسوس ناک امر ہے کہ رسالہ "شب خون" میں اقبال مجید کو خوب برا بھلا کہا گیا اور ان کی تصویر بھی انتہائی منفی انداز میں شائع کی گئی۔وارث علوی اگرچہ اس ناول پر کافی تفصیلی تبصرہ کرتے ہیں لیکن وہ اسے کوئی اعلیٰ تخلیق یا فن پارہ نہیں کہتے۔

اپنے انتیس صفحات پر مشتمل اس تبصرے میں وہ ناول کی تفصیلات، واقعات اور جزئیات بیان کرتے ہیں۔ان کے نزدیک یہ ایک ناول ہے جو سیاسی رنگ کا حامل ہے۔اس میں کرداروں کی تعداد بھی مناسب ہے۔مگر ناول کا کوئی بھی کردار ایسا نہیں جو قاری کے لیے کسی اور موضوع پر بھی گہرے غور و فکر کی دعوت لیے ہوئے ہو۔ناول میں سیاسی حربے، داؤپیچ، جوڑتوڑ، جنسی ترغیبات اور جرائم کی لہریں آتی جاتی رہتی ہیں۔وارث علوی انھیں صحافت کے ذریعے روزمرہ کے واقعات کا نام دیتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.1 2021

ان تمام کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود وارث علوی کہتے ہیں کہ یہ ناول دلچسپ ہے۔ جسے کہیں سے پڑھنا بھی شروع کیا جائے، یہ اپنے سحر میں ضرور لے لیتا ہے۔ اس ناول کی اور اقبال مجید کے تیکھے اور طنزیہ انداز نے ناول کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے۔ (16)

وارث علوی "کسی دن" کی کہانی بتاتے ہیں کہ اس میں شوکت جہاں اور پرتاپ شکلا دو مرکزی کردار ہیں۔ شوکت جہاں خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ذہین لڑکی ہے۔ اس کا سیاست میں شامل ہونے کا مقصد دکھاوا اور تصاویر شائع کروانا تھا۔ بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں آنا جانا بڑی بڑی گاڑیوں کا اس کے دروازے پر آنا اور ان کی مہمان نوازی کرنا اس کا خواب تھا جس سے اس کی انا کی تسکین ہوتی تھی۔

سیاسی اور جنسی ترغیبات سے بھری فضا اور ناول نگار کے زرنگار چمکتے جملوں سے ناول کی کہانی دلچسپ اور رنگین ہو گئی ہے۔ پرتاب شکلا ان رنگینیوں اور رعنائیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے آخر کار ایک دن پیش دستی کر بیٹھا جس سے شوکت جہاں کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس حرکت کے بعد اس کا نجام واضح تھا۔ اسے نہ صرف قتل کر دیا گیا بلکہ اس کی لاش کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ ناول میں ہر موڑ پر فریبی اور دھوکے باز لوگوں کا تذکرہ ہے۔ اس بارے میں وارث علوی لکھتے ہیں :

"سیاسی انتشار اور سماجی پستی کی ایک عمودی لکیر ہے جس سے کوئی کردار بلند نہیں ہو پاتا"۔ (17)

وارث علوی کے مطابق ناول نگار نے چند جگہوں پر جملوں میں ایک جہان معنی آباد کر دیا ہے۔ جب بھی اس تخلیق کا مطالعہ کریں۔ ہر لفظ، ہر جملہ معنوی تہہ داری کا حامل محسوس ہوتا ہے۔ اسے وہ شاعری کی خوبی کہتے ہیں:

"کسی دن 'ایک طویل نظم کی مانند ہے۔ ایلیٹ کی ویسٹ لینڈ کے مماثل، جس کا جادو اور آہنگ، تصویریں اور مرقعے ایک خواندگی میں اپنا حسن لٹا دینے کی بجائے بار بار کی خواندگی کی دعوت دیتے ہیں تا کہ ہر بار الہام کے پردے دور ہوتے جائیں"۔ (18)

طویل نظم کہنے کے بعد آخر میں وارث علوی اس ناول کو طویل مختصر افسانے کا نام دیتے ہیں اور اسے ادب کے خزانے میں ایک اضافہ قرار دیتے ہیں۔

قاضی عبدالستار کے معاشرتی ناول

قاضی عبدالستار مشہور کہانی کار ہیں۔ ان کے چار مختصر ناول "ناولٹ" شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں "شب گزیدہ"، "مجو بھیا"، "بادل" اور "غبار شب" شامل ہیں۔ "داراشکوہ" بھی ان کا معروف تاریخی ناول ہے لیکن وارث علوی نے اس ناول کو اپنے اس مضمون میں بحث کا موضوع نہیں بنایا۔

وارث علوی کہتے ہیں کہ قاضی عبدالستار کی ناولوں میں قاری کے لیے دلچسپی کا بہت سامان ہے۔ اودھ کی مٹتی ہوئی تہذیب، جاگیر داروں کی خواہشیں اور حسرتیں، گاؤں کی زندگی، میلے ٹھیلے، موسم، عید تہوار، رسم و رواج، سواریاں اور سپاہی، نوکر اور باندیاں، ان کی وفاداریاں اور بے وفائیاں، سب کچھ قاضی کے ناولوں میں موجود ہے۔ یہ زمانہ جدوجہد آزادی کا زمانہ ہے۔ فسادات، جھگڑے اور افراتفری کا عالم ہے۔ ان میں کسی اور کے لیے کوئی دلچسپی اب نہیں رہی۔ وارث علوی کہتے ہیں ایسی ناولوں کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ یہ مشہور ناولیں اب آہستہ آہستہ تاریخی بن چکے ہیں۔ تاریخ بھی ایسی ہے جس میں کوئی کوئی شمع روشن ملتی ہے مگر اس کی شان و شوکت ختم ہو چکی ہے۔ کرداروں کے لیے ہمدردی باقی نہیں رہ گئی۔ بوڑھے زمیندار جو صرف ناخواندہ اور جاہل ہی نہیں عیاش بھی ہیں۔ ان کے کارندے ان کی خدمت کے لیے اپنی رشتہ داروں کو بھی قربان کر دیتے ہیں تا کہ وہ اس کی زمین کے مالک بن سکیں۔ ان کے مکانوں میں برتنوں کے ٹکرانے اور لڑکیوں کے کھلانے یا گیت گانے کی آواز نہیں آتی۔ زوال زدہ معاشرے کی داستان قاضی عبدالستار نے بیان کر کے اس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.1 2021

میں کوئی جاذبیت، اپنائیت اور ہمدردی پیدا نہیں کی۔ ایک تاریکی سی ان ناولوں میں ضرور موجود ہے۔ جس کی وجہ سے ناول نگار کو وہ کردار یا وہ چہرے ہی نظر نہیں آئے جنھیں مرکزی کردار ناول کی بنیاد رکھ سکتے۔ حالاں کہ اس مٹتی ہوئی تہذیب میں بھی بہت سی کہانیوں کے امکانات موجود تھے۔

وارث علوی کا کہنا ہے کہ اردو کے سنجیدہ اور بڑے ناقدین کا قاضی عبدالستار اور ان کے ناولوں کی طرف توجہ نہ کرنا بھی قابل غور ہے۔ ان کی شہرت میں یقیناً کوئی شک وشبہ نہیں۔ چار ناولوں میں تمام تر خصوصیات کے باوجود فن کاری کی کوئی کمی ضرور رہ گئی ہے۔ جن لوگوں نے قاضی صاحب پر مضامین یا کتابیں لکھیں ہیں انھوں نے محض توصیفی انداز ہی اختیار کیا ہے۔ ان ناولوں میں موجود خامیاں نظر نہیں آئیں یا پھر نظر انداز کر دی گئی ہیں۔

وارث علوی کہنا ہے کہ ان ناولوں میں ظاہری خوبیاں موجود ہیں۔ اسلوب منفرد ہے، بیان حسین ہے، تشبیہوں، استعاروں کی دھنک کے رنگ ہیں، سماجی شعور اور مشاہدات بھی ہیں، زوال، پستی اور افلاس کی منظر نگاری بھی ہے۔ ان اوصاف نے ناولوں کو دلچسپ اور سحر انگیز بنا دیا ہے۔ مگر جب یہ سحر ٹوٹتا ہے، قاری اس طلسم سے باہر آتا ہے تو بقول وارث علوی:

> " قاری کے پاس کوئی ایسی بصیرت، ایسا تجربہ، ایسا کردار نہیں ہوتا جو اس کے ذہن میں تادیر زندہ رہے"۔ (19)

اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرورالھدی کا کہنا ہے:

"وارث علوی نے قاضی صاحب کے فن سے متعلق جن باتوں کو نشان زد کیا ہے وہ ان کی ذہانت اور گہری نظر کی دلیل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر کوئی دوسرا نقاد ہوتا تو قاضی صاحب اتنی ساری فنی خوبیوں کو گنا کر ان پر ایمان لے آتا۔ لیکن وارث علوی یہ کہنے میں نہیں ہچکچاتے کہ قاضی صاحب کی اتنی بھری پوری دنیا ہمیں جب اپنے یہاں سے لوٹاتی ہے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شئے نہیں ہوتی جو ہماری انفرادی یا اجتماعی زندگی میں ہمارا ساتھ دے سکتی"۔ (20)

ان ناولوں یا قاضی عبدالستار کی دیگر کہانیوں میں ایک اہم اور قابلِ تعریف پہلو ان کا بہترین بیانیہ ہے۔ جو اپنے بہاؤ میں قارئین کو بہالے جاتا ہے اور لبھاتا ہے۔ قاضی عبدالستار کے افسانوں کا ذکر کرتے ہوئے بقول وارث علوی:

> " قاضی صاحب کے افسانوں میں گہرائیاں، وسعتیں اور تنوع ہے کیوں کہ قاضی صاحب ایک گلی یا چوک کے نہیں بلکہ قسم قسم کے طبقوں، فرقوں اور ذاتوں پر مبنی ایک پورے معاشرے کی اتھل پتھل کے واقعہ نویس ہیں"۔ (21)

"شب گزیدہ" قاضی عبدالستار کا ایک دلچسپ ناول ہے جسے وارث علوی کامیاب ناول قرار دیتے ہیں۔ اس ناول میں جھونپڑیاں بھی ہیں مکان بھی۔ مساجد بھی ہیں اور ان میں جنات بھی۔ بڑے زمیندار بھی ہیں اور ٹھاکر بھرت سنگھ بھی۔ رحمت جیسے چالاک جانباز بھی ہیں اور جمی جیسے نوجوان بھی۔ غرض طرح طرح کی تصاویر سے یہ گیلری سجی ہوئی ہے۔ تصاویر کا ایسا نگار خانہ قاضی صاحب نے سجایا ہے جسے دیکھ کر پوری معاشرت کی پیش کش ہو جاتی ہے۔ اس کمال مہارت کی وجہ بتاتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں؛ چونکہ وہ خود اسی دھرتی کے باسی تھے، اسی لیے انھوں نے واقعات میں حقیقی اور جیتا جاگتا منظر بنا دیا۔ اس ناول کی کامیابی کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> "یہ کامیاب ناول ہے تو اس کے کرداروں کے سبب نہیں بلکہ وہ ایک پکچر گیلری ہے جس میں رنگ برنگی تصویریں آویزاں ہیں"۔ (22)

"مجو بھیا"، ان کی ایک اور ناولٹ ہے۔ اس میں منظور نامی شخص مجو بھیا ہے۔ اس کا پس منظر بتاتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ زمینداری کے عہد کے خاتمے کے بعد، شمالی ہند میں طاقت کا جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے یا تو سیاست پُر کر سکتی تھی یا پھر کوئی مافیا اپنے پنجے گاڑ سکتا تھا۔ حالات کا مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ خلا اس علاقے میں ان دونوں طاقتوں نے پُر کیا۔

اس طاقت ور ناولٹ کی مختصر کہانی بیان کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ منظور عرف مجو بھیا شیخ سرور علی کا اکلوتا بیٹا تھا۔

اپنی نوجوانی اور طاقت کے بل بوتے پر وہ گاؤں کے سب سے طاقتور شخص کو قتل کر کے اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس طرح مجو بھیا ہیرو بن جاتا ہے۔ قاضی عبدالستار زمینداری پس منظر میں زر، زمین اور زن سے جڑے جھگڑوں میں ادھر ادھر سے ایندھن فراہم کر کے آگ کو بھڑکا لیتے ہیں۔

"بادل" قاضی صاحب کا ایک اور معروف ناولٹ ہے۔ منظر کشی اور بیان کا کرشمہ ناولٹ کا حسن ہے۔ وارث علوی کے مطابق:

"اس طویل افسانے میں ایک لفظ بھرتی کا نہیں اور جو لفظ ہے حاضراتی ہے اور حسیات کو جگاتا ہے"۔(23)

اس ناولٹ یا طویل افسانے کی مکمل کہانی کو وارث علوی بڑی تفصیل سے دوبارہ لکھتے ہیں اور ان کے ڈرامے نما افسانے کو ایک پیٹرن Pattern پر لکھا گیا افسانہ کہتے ہیں۔

مجموعی طور پر قاضی عبدالستار ایک معاشرتی کہانی کار کہے جاسکتے ہیں۔ تاہم ایک ہی طرح کی بستی ایک ہی طرح کے کردار ایک طرح کی زوال زدہ تہذیب، بیماری، پریشانی اور بدمعاشی کا ایک ہی رنگ ایک ہی انداز کی۔ سنسنی خیری اور جادوگری پر مبنی منظر نگاری انھیں اور ان کی کہانیوں کو یکسانیت کا شکار ضرور کر دیتی ہے۔

وارث علوی کو بعض نئے ناولوں نے اپیل نہیں کیا۔ ان کے مطابق بعض ناول قاری کے لیے نہیں بلکہ نقادوں کے لیے لکھے گئے ہے۔ انہوں نے حیرت انگیز طور پر قرۃ العین حیدر اور بانو قدسیہ جیسے معروف ناموں کی پرواہ کیے بغیر ان کے ناولوں "آخر شب کے ہم سفر" اور "راجہ گدھ" کو بڑے ناولوں میں شمار ہونے کے باوجود ناکام ناول قرار دیتے ہوئے ان کی فنی کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اپنے اس دعوے کے حق میں انہوں نے دنیا جہاں کے اعلیٰ فن پاروں کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بعض ناول مسلمہ ناولوں کے معیار پر پورا نہ اترنے کے باوجود بھی بڑے ناول ہوتے ہیں۔ اقبال مجید کا ناول "کسی دن" بھی کچھ بہتر ہے کہ زمرے میں آتا ہے جبکہ " قاضی عبدالستار کے معاشرتی ناول " کو کامیاب ناول کہا جا سکتا ہے۔

وارث علوی کا یہی انداز انہیں دوسرے ناقدین سے ممتاز کر دیتا ہے۔ اور اسی وجہ سے بے لاگ نقاد کہلاتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، وارث علوی، مشمولہ تنقید کا دائرہ، فیصل آباد، مثال پبلشرز 2016، ص189

2۔ وارث علوی، "ناول بن جینا بھی کوئی جینا ہے"، مشمولہ: "ادب کا غیر اہم آدمی"، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاوس، 2001"، ص:99

3۔ وارث علوی، "قرۃ العین حیدر کا ناول - آخر شب کے ہم سفر"، مشمولہ: "کچھ بچالایا ہوں"، گاندھی نگر، گجرات اردو اکادمی، 1990، ص:177

4۔ ایضاً، ص:184

5۔ ایضاً، ص:185

6۔ ایضاً، ص:198-192

7۔ ایضاً، ص:205

8۔ وارث علوی، "بانو قدسیہ کا ناول - راجہ گدھ"، مشمولہ: "بورژوازی، بورژوازی"، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاوس، 1999، ص:77

9۔ ایضاً، ص:84

10۔ ایضاً، ص:88

11۔ ایضاً، ص:95

12۔ ایضاً، ص:100

13۔ وارث علوی،"خواجہ احمد عباس کا ناول-انقلاب"، مشمولہ:" پیشہ تو سپہ گری کا بھلا"، گاندھی نگر، گجرات اردو اکادمی، ص200

14۔ ایضاً، ص:202

15۔ ایضاً، ص:224

16۔ وارث علوی،"اقبال مجید کا ناول-کسی دن"، مشمولہ:" سرزنش خار"، نئی دہلی، کتاب دنیا2005، ص63

17۔ ایضاً، ص:66

18۔ ایضاً، ص:82

19۔ وارث علوی،"قاضی عبد الستار کے معاشرتی ناول"، مشمولہ:"گنجفہ باز خیال" ، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاوس، 2007، ص:15

20۔ سرور الھدی، "ایجاز حسن کا بیاں"، مشمولہ:"چہار سو"، ماہ نامہ، راولپنڈی، ج22، ش جنوری / فروری 2013، ص:40

21۔ وارث علوی،"قاضی عبد الستار کے معاشرتی ناول"، مشمولہ:"گنجفہ باز خیال"، ص:19

22۔ ایضاً، ص:19

23۔ ایضاً، ص:27